© rasailojaraid.com

Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 39, Sr.No.111, 2010, pp 05 - 22

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۹، اپریل۔جون ۲۰۱۸ء، شمارہ ۱۱۰

غزل تنقید میں غزل کی تنقید

☆امجد علی شاکر

Abstract:

Poetry is known as the expression of sentiments and emotions. Ghazal is the most celebrated and significant form of poetry in Persian and Urdu. Ghazal has been the main focus of attention of literary critics. In this artilce the literary criticism on this important form of poetry has been analyzed and evaluated.

Key words: Poetry, Ghazal, Literary criticism, Analysis.

اسلوب احمد انصاری کی مرتبہ کتاب ''غزل تنقید'' کا افتتاحیہ پڑھ کر ایک ذہین قاری نہ جانتے ہوئے بھی ان کے بارے میں جان سکتا ہے کہ وہ ایک تو انگریزی کے Discipline کے ہیں اور دوسرے ان کا تعلق علی گڑھ سے ہے۔ یہی دونوں باتیں غزل سے متعلق ان کے اصول نقد کو جاننے کے لیے بہت ضروری ہیں۔ خصوصاً دوسری بات سمجھے بغیر آگے چلنا ممکن نہیں۔ علی گڑھ یونیورسٹی میں تنقیدی بصیرت کا پہلا اظہار رشید احمد صدیقی تھے۔ وہ بنیادی طور پر انشا پرداز تھے۔ اکثر ان کی تنقید انشا پردازی بن جاتی ہے اور انشا پردازی میں ان کی تنقیدی بصیرت جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسلوب احمد انصاری نے اس کتاب میں عملی تنقید کا خوبصورت نقش پیش کیا ہے، مگر اکثر اوقات ان کے تنقیدی جملے انشا کا عمدہ نمونہ بنجاتے ہیں۔ وہ اقبال کی غزل کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''یہ آواز اور لب ولہجہ شاگردِ داغ کا نہیں، بلکہ اس شاعر کا ہے جو ایک ہمہ گیر وژن رکھتا ہے، جس کا ایک ہمنوا اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے اور دوسرا ہمنوا گلشن ویمر میں آسودۂ خاک

☆ ریٹائرڈ پروفیسر اُردو، پرنسپل گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے: گوئٹے، اقبال کا سروکار انسان کے مقدر اور اس کے مخمصے یعنی Dilemma سے ہے اور ان کے تخّیل اور فکر کی تنگ و تاز فضا کی ساری پہنائیوں کو محیط ہے۔ وہ کسی ایک واحد نقطے پر مرتکز نہیں، بلکہ عالم حادثات اور عالم امکان دونوں ان کی عقاب دار نگاہوں کے سامنے بے حجاب ہیں۔"(۱)

یہ تجزیہ سے زیادہ تاثر اور تنقید سے زیادہ انشا پردازی ہے، مگر ان کی تنقید کو موضوعی جمالیاتی یعنی تاثراتی تنقید کہنا زیادتی ہوگا۔ وہ اپنے تاثر کی بنیاد تجزیے پر رکھتے ہیں اور انشا پردازی کو تفکر سے ہم آہنگ کرتے ہیں۔

اسلوب احمد انصاری کی نثر رشید احمد صدیقی کا ذوق اور ذائقہ لیے ہوئے ہے۔ خود رشید احمد صدیقی کی نثر علی گڑھ کی فضا کی زائیدہ تھی۔ علی گڑھ جو ہندی مسلم تہذیب کو جدیدیت سے آشنا کر رہا تھا۔ اس کے ہاں اقدار، روایت، لفظ کی حرمت اور فکر کی صلابت کا ائتلاف پایا جاتا تھا۔ یہ بات علی گڑھ کی خصوصیت تھی کہ وہاں کے لوگ فقرہ ضائع کرنے کی بجائے بندہ ضائع کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ اسلوب احمد انصاری کے ہاں ایسے فقرے مل جاتے ہیں جنھیں Quotable قرار دیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ایسا فقرہ تبھی خلق ہوگا جب فقرے کے پس منظر میں گہری بصیرت بھی ہو اور فقرے میں زوائد بھی موجود نہ ہوں۔ غزل کے شعر میں Memorable ہونے کی خوبی پائی جاتی ہے، یہ خوبی رشید احمد صدیقی کے ہاں نثر میں موجود تھی، یہی خوبی اسلوب احمد انصاری کے ہاں ملتی ہے۔ ان کے ہاں فقرے ایسے ہیں جن میں دوسرا ٹکڑا پہلے ٹکڑے کو معنوی وسعت اور رفعت عطا کرتا ہے۔ چند فقرے دیکھ لیجیے، یہاں فقرہ ضائع کرنے کی بجائے 'بندہ ضائع کرنے کا انداز ملتا ہے:

"مقدمہ شعر و شاعری کے نقاد نے غزلوں کے شاعر کو پا بجولاں کر دیا۔"(۲)

"شبلی کا پیش کیا ہوا تقابلی مطالعہ (موازنہ انیس و دبیر) ایک Academic Excercise سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔"(۳)

کچھ اور فقرے دیکھیے جنھیں ہر طرح Quotable بھی کہا جا سکتا ہے اور ان میں رشید احمد صدیقی کے لہجے کی گونج بھی سنائی دیتی ہے:

"تخلیق شعر کے سرچشمے بیش از بیش ذاتی، متفکرانہ اور لاشعوری ہوتے ہیں۔"(۴)

"امیر مینائی نجی فطانت کے نہیں، روایت کی اس آنچ کے شاعر ہیں جو بھڑکتی چاہے نہ رہے، سلگتی ضرور رہتی۔"(۵)

"شاعروں کی درجہ بندی اور بزم سخن میں ان کے لیے نشستیں محفوظ کرانے کا کام بہرحال کچھ زیادہ مطبوع خاطر اور لائق تحسین نہیں۔"(۶)

"جرأت آغاز جوانی ہی میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو تاریک سیارے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گم پاتے تھے۔''(۷)

''وہ روح کی واماندگیوں سے زیادہ جسم کی عشرتوں سے قریب تر رہے۔''(۸)

''جرأت کے ہاں جسم ہی جسم ہے۔ جسمانی لذتوں کو روحانی اہتزاز میں منقلب کرنے کا نہ حوصلہ، نہ میلان اور خواہش۔''(۹)

غزل تنقید میں اسلوب احمد انصاری نے انچاس شاعروں کی ایک سو تیرہ غزلیں منتخب کی گئی ہیں۔ انھوں نے اپنے انتخاب میں میر کی دس غزلیں منتخب کی ہیں، غالب کی نو اور اقبال کی انیس، گویا میر و غالب کی غزلوں کی مجموعی تعداد کے برابر؛ ہندوستان میں یہ رویہ کسی علیگ کا ہوسکتا ہے۔ انھوں نے اقبال کو اردو شاعری میں جو مقام عنایت کیا ہے، وہ بجا طور پر اس کے مستحق تو ہیں، مگر اسلوب احمد انصاری نے انھیں یہ مقام ایک اور وجہ سے بھی دیا ہے، اس کا ذکر آئے گا۔ اسلوب احمد انصاری کی کتاب میں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو غزل ہند اسلامی تہذیب کا اہم ترین کارنامہ ہے اس کی تفہیم کے لیے ہند اسلامی تہذیب سے آشنائی بہت ضروری ہے۔ ہند اسلامی تہذیب نے اپنے عروج پر پہنچ کر Miniature کا فن دیا۔ اسی طرح ہند اسلامی تہذیب کا ذوق جمال غزل میں بھی جلوہ گر ہے اور دوسری اصناف اور فنون لطیفہ میں بھی۔ موسیقی میں ہند اسلامی تہذیب نے طبلہ ایجاد کیا تو اس کی غزل کی ردیف سے مناسبت بھی کہیں موجود رہی ہوگی۔ بہرحال ہند اسلامی تہذیب اردو غزل کا بنیادی تناظر ہے، مگر اسلوب احمد انصاری نے اس کا ذکر چھیڑنے سے گریز کیا ہے۔

اسلوب احمد انصاری نے ہند اسلامی تہذیب کا ذکر چھیڑنے سے گریز کیا ہے، اس کی تاریخ وجوہ ہیں۔ اتر پردیش میں پروان چڑھنے والی مسلم تہذیب/ ہند اسلامی تہذیب نے صدیوں میں ارتقا کی بہت سی منزلیں طے کیں۔ اس تہذیب کے دیگر کارناموں کے علاوہ غزل، خیال کی گائکی، کتھک ناچ، پلاؤ اور تاج محل یقیناً بہت بڑے کارنامے ہیں۔ اس تہذیب پر جب کڑا وقت آیا تو سرسید نے اسے جدیدیت کا پیوند لگایا اور زندہ رکھنے کی سعی کی۔ مسلم اشرافیہ اس تہذیب کا نمائندہ تھا۔ اشرافیہ کے مرکز میں علی گڑھ کا مقام پڑتا تھا۔ جہاں انگریزی فوجی چھاؤنی میں سرسید کی علمی چھاؤنی کا سنگ بنیاد پڑا۔ سرسید کی آنکھیں بند ہوتے ہی ان کے وارث سید محمود کو حیدرآباد کے ریاستی ماحول میں کام کرنے والے وقار الملک اور محسن الملک نے نکال باہر کیا۔ سرسید احمد خاں نے ہند اسلامی تہذیب کو جدیدیت کا پیوند لگایا تھا، ماضی کی نفی نہیں کی تھی۔ آئین اکبری اور تاریخ فیروز شاہی کی تدوین کرنے والا سرسید ماضی کی نفی کیونکر کر سکتا تھا۔ بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں یہ حادثہ ہوا کہ علی گڑھ نے ہندی مسلم تہذیب سے دستبرداری قبول کر لی۔ یہ علی گڑھ کا المیہ ہے، اردو بولنے والے مسلمانوں کا المیہ بھی۔ اسی کے نتیجے میں اردو بولنے والا مسلمان کسی تہذیب کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ تہذیب سے یہ دستبرداری ہمیں اسلوب احمد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انصاری کے...... بھی نظر آتی ہے۔نواب اسماعیل کے استعفےٰ اور ڈاکٹر ذاکر حسین کے وی۔سی بننے کا واقعہ بھی سجدۂ سہو نہ بن سکا تھا۔علی گڑھ کے لیے اقبال اس لیے ہمیشہ قابل قبول رہا ہے کہ وہ ہند اسلامی تہذیب کی بجائے عجمی اسلامی تہذیب کے شاعر تھے۔اسی لیے اسلوب احمد انصاری اقبال کو میر و غالب کے مجموعی قد کے برابر اہمیت دیتے ہیں۔اس پر مستزاد یہ کہ جناب انصاری نے اقبال کی فارسی غزلوں کو بھی اپنے انتخاب میں شامل کیا ہے۔اسلوب احمد انصاری نے اقبال کی دس، غالب کی چھ اور میر کی ایک غزل کا تجزیہ اپنے قلم سے پیش کیا ہے۔اس کی یقیناً یہی وجہ ہے کہ میر کے ہاں ہند اسلامی تہذیب کا رنگ واضح ہے۔غالب کے ہاں عجمی اسلامی تہذیب کا رنگ خاصا گہرا ہے اور اقبال کے ہاں عرب کا حسن طبیعت اور عجم کا سوز دروں ملتا ہے، یہی اقبال سے علی گڑھ کے تعلق خاطر اور اسلوب صاحب کے قرب کی بنیادی وجہ ہے۔

ابتدا میں یہ بات کہی گئی ہے کہ اسلوب احمد انصاری انگریزی کے ڈسپلن کے آدمی لگتے ہیں، اس کی ایک شناخت یہ ہے کہ انگریز کے ہاں اب کوئی تہذیب تو رہی نہیں، ویسے بھی تاجروں کی کون سی تہذیب ہوا کرتی ہے۔انگریز حکومت کرنے آئے اور اپنے علوم بھی ساتھ لائے۔اپنے اصول نقد بھی لائے۔علی گڑھ تحریک کے پہلے نقاد حالی نے انگریزوں سے اصول نقد لیے تھے۔انھوں نے اپنی مسدس میں گنگا جمنا کی تہذیب کو قریب بھی پھٹکنے نہ دیا تھا اور مسلم تاریخ سے شاعری اخذ کرنے کی کوشش کی تھی، حالانکہ میر انیس نے مرثیے میں واقعہ کربلا کو پیش کرتے ہوئے فرات کو گومتی سے ملا دیا تھا۔اسلوب احمد انصاری نے انگریزی سے اصول نقد لیے تو انھیں ہند اسلامی تہذیب کے خطرے سے بچنا آسان ہو گیا۔حالی مرحوم نے بھی ہند اسلامی تہذیب کا خطرہ مول نہیں لیا تھا۔وہ تو غزل کی شعریات سے بھی آشنا تھے اور غالب سے بھی، مگر انھوں نے غالب کے ذیل کے شعر میں موحد کا معنی بیان کرنے کا خطرہ مول نہ لیا اور لغات سے دیکھ کر موحد کا معنی لکھ دیا:

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

حالی کے بارے میں یہ ماننا خاصا مشکل ہے کہ وہ موحد کا وہ معنی نہیں جانتے تھے جو آئین اکبری، اخبار الاخبار اور تذکرہ غوثیہ میں مذکور ہے۔وہ یادگار غالب میں اس مفہوم کے قریب نہیں آتے۔

روایتی اردو غزل کا محاورہ سیکولر تھا، خصوصاً Sacrad مفہوم کے لیے سیکولر محاورہ استعمال کیا جاتا تھا۔میر کے اس شعر کو دیکھیے اور سوچیے کہ انھوں نے یہاں کافر کس مفہوم میں استعمال کیا ہے، یہیں سے اردو غزل کے روایتی Idiom کی وضاحت ہوتی ہے:

سخت کافر تھا جس نے پہلے میر
مذہب عشق اختیار کیا

روایتی غزل کے ایک حوالہ یہ بھی ہے کہ صوفیائے کرام غزل کی لفظیات کو مخصوص صوفی مفہوم میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا کرتے تھے۔مولانا اشرف علی تھانوی نے حافظ کی شرح لکھتے ہوئے ان کی ڈکشن کا اور ہی مفہوم لیا ہے۔ ہمارے ہاں کا روایتی معاشرہ حافظ شیرازی کو عارف شیراز کہتا رہا، مگر اسلوب احمد انصاری اس تہذیب سے گریزاں ہونے کے باعث حافظ کے بارے میں کہتے ہیں:

''حافظ کی شاعری بھی عاشقانہ یا نفسیاتی یا حسرت موہانی کی اصطلاح میں فاسقانہ یعنی Erutic ہونے کے باعث اقبال کی شاعری کے ساتھ بشریت کی حد تک ایک نقطۂ اتصال رکھتی ہے۔''(۱۰)

دراصل اسلوب احمد انصاری غزل کی روایتی ڈکشن کا وہ علامتی مفہوم ماننے کے لیے تیار نہیں جو ہند اسلامی تہذیب میں مروج رہا۔ وہ استعارے اور علامت کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں اور اسے صحیح معنی میں Appreciate بھی کرتے ہیں، مگر وہ اس منزل تک جانے کا حوصلہ نہیں رکھتے جہاں تک ہمارا صوفی پہنچ سکا ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''آسمان کے ارتفاع کے نیچے اتر کر اس کے لیے یم کا استعارہ استعمال کرنا بھی جو نیلگوں سمندر کی بے کنار وسعتوں میں ایک نقطۂ استقرار یعنی ساحل کی تلاش میں ہے ایک طرح کی تہہ داری رکھتا ہے اور دلکش شعری حسنِ اظہار پر دال ہے۔''(۱۱)

اسلوب احمد انصاری دراصل تصوف سے زیادہ واقف نظر نہیں آتے، اس لیے وہ غزل کے صوفی پس منظر تک رسائی پانے کی ہمت نہیں رکھتے۔ تصوف کے نظریۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے میں وہ بالکل ہی بے خبر سے ہیں۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''تخلیق یعنی Creation اور حلول یعنی Emanation کے دو متضاد نظریوں کے اردگرد پوری انسانی فکر ابھی تک چکر لگاتی رہی ہے۔ یعنی یا تو خدا اپنے آپ سے آگے جا کر کائنات کو وجود میں لایا ہے جس کا لازمی نتیجہ وہ فاصلہ، بُعد اور تمیز ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان لازمی طور سے رہے گی یا انسان کا کائنات سے کسی الوہی قوت کا انعکاس ہیں اور ان میں اس نے اپنے آپ کو جذب کر لیا ہے۔''(۱۲)

اب یہی نقطۂ نظر تسلیم کر لیا جائے تو میر درد کا یہ شعر اپنے معنی کھو دے گا:

مٹ جائیں ایک آن میں سب کثرت نمائیاں
ہم آئینے کے سامنے جب آ کے ہُو کریں

بظاہر یہ غیر متعلقہ سی بات ہے، مگر غزل کو سمجھنے کے لیے ضروری بھی ہے، اس لیے اس کا تذکرہ بے جا نہ ہو گا کہ ان دنوں ہندوستان میں غزل کا حال بہت پتلا ہے۔ ان کے اچھے شاعر ہمارے ہاں کے کمزور شاعروں کے درجے پر ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان علی گڑھ کی قیادت میں ہند اسلامی تہذیب سے دستبردار ہو گئے ہیں۔ اسی لیے علی گڑھ کی مجبوری ہے کہ وہ غزل میں اقبال کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرکزیت تسلیم کرے جبکہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ایسی کوئی مجبوری نہیں۔ اس کتاب میں غزل پر لکھنے والوں میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے اساتذہ شامل ہیں۔ جامعہ سے متعلق لوگوں نے غزل کی روایت کو اہمیت دی ہے جبکہ علی گڑھ کے لوگوں نے انفرادی Talent پر زیادہ زور دیا ہے۔ اسلوب احمد انصاری علیگ ہیں، وہ انفرادی Talent دریافت کرنے پر زور دیتے ہیں۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''ہر غزل کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے، اس کی اپنی شعری منطق، پیکروں اور استعاروں کا اپنا تانا بانا، اپنا صوتی آہنگ، یعنی وہ ایک خود مکتفی کل ہوتی ہے اور ردیف اور قافیے کی یکسانیت بھی کوئی فیصلہ کن اور موثر اشارہ فراہم نہیں کرتی۔ یہ کوئی ایسا منتر نہیں جسے Evoke کرنے پر معنویت کا دروازہ چشم زدن میں کھل جائے اور ہمیں شاعر کے بطون یا فطانت میں نفوذ کا کوئی راستہ فراہم کرے۔'' (۱۳)

غزل کے مطالعے کا یہ بالکل نیا انداز ہے۔ اس سے پہلے میرا جی نے نظم کے مطالعے کے لیے یہ طریقہ اپنایا تھا اور ''اس نظم میں'' ان کا قابل قدر تنقیدی کارنامہ تھا۔ اسلوب احمد انصاری غزل کو ایک خود مکتفی اکائی مانتے ہیں اور اس پر تنقید کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ اس کے امیجز استعاروں اور اس کے شعری آہنگ پر غور و فکر سے اس کی حقیقت کھلتی ہے۔

اسلوب احمد انصاری کے مقابلے میں اسی کتاب میں شامل ایک نقاد شافع قدوائی کا رویہ زیادہ صحت مندانہ ہے۔ وہ مشرقی شعری روایت کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور شاعر کی انفرادیت تلاش کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ شافع قدوائی شاید قدوائی ہونے کے باعث یا اپنے انفرادی ذوق کے باعث مشرقی شعری روایت سے بھی اعتنا کرتے ہیں اور انفرادی شعری Talent سے بھی۔ وہ مصحفی کی غزل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مشرقی شعریات کے امتیازی عناصر میں بحر کے انتخاب کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔ مترنم اور خوش آہنگ بحور علی الخصوص مختصر بحروں میں طبع آزمائی نہ صرف شاعر کی قادر الکلامی اور فنی پختگی کی ضامن، بلکہ شعری تجربے کی ترسیل کا موثر ترین وسیلہ بھی سمجھی جاتی ہے......اس نوع کی بحروں کے بیشتر اشعار میں عاشق زیادہ تر پس منظر میں رہتا ہے اور زندگی کے مختلف مظاہر کے تئیں قدری ردعمل کی ترسیل سے سروکار رکھا جاتا ہے۔ عشق سے وابستہ باطنی کیفیات اور حسی تجربات اکثر تمثیلی پیرایۂ بیان میں پیش کیے جاتے ہیں۔ تجربے کی آفاقیت کے باعث اشعار میں ضرب المثل بننے اور حافظہ میں دیر تک محفوظ رہنے کے امکانات بیش از بیش موجود رہتے ہیں۔'' (۱۴)

شافع قدوائی نے غزل کے حافظے میں محفوظ رہ جانے کا سبب غزل کی روایت میں دریافت کیا ہے، جبکہ اسلوب احمد انصاری اس کا سبب غزل کی مخصوص ہیئت کو قرار دیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''ردیف اور قافیے کے مستعمل کیے جانے سے جس طرح کا آہنگ پیدا کیا جاتا ہے، وہ بے ردیف اور قافیے کی شاعری میں شاید ممکن نہیں۔ Soundاور Sense کی یکجائی یا ان کے امتزاج باہمی سے تموّج اور آہنگ پیدا ہوتا اور غزل کے اشعار کی یہ Memorablity بھی نظر انداز کیے جانے کی چیز نہیں۔''(۱۵)

اسلوب احمد انصاری اور شافع قدوائی کے مابین تجزیے کا یہ فرق دراصل غزل کی روایت سے وابستگی اور غیر وابستگی کا فرق ہے۔

اسلوب احمد انصاری کی تصوف سے ناواقفیت کا تذکرہ ہو چکا۔ اب ذرا شافع قدوائی کا تصوف سے واقفیت کا ذکر بھی ہو جائے۔ شافع قدوائی حالی کے مطلع ''ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں'' کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خوب سے خوب تر کی جستجو درحقیقت لامحدود کی جلوہ ہائے نو بہ نو کی مسلسل آرزو سے عبارت ہے اور حواس خمسہ کے ایک عنصر باصرہ نے محسوسات کی دنیا سے جست لگا کر اپنا رشتہ ایک ایسی دنیا سے قائم کر لیا ہے جس کی پہنائیاں عقل محض کے ہر پیمانے سے ماورا ہیں۔ اس عمل کو اہل تصوف کی اصطلاح میں مقام تلوین سے مقام تمکین تک کا سفر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔''(۱۶)

اسلوب صاحب کی تصوف سے ناآشنائی اور شافع قدوائی کی آشنائی کا نتیجہ ہے کہ اسلوب صاحب غزل کی روایت کو نظر انداز کر کے غزل پر تنقید لکھ رہے ہیں جبکہ شافع قدوائی روایت سے آشنائی کو اپنے باطن میں جذب کر کے شاعر اور غزل کے انفرادی Talent کو دریافت کرتے ہیں۔

غزل تنقید کا ایک بڑا کام یہ ہے کہ اس نے اس روایت کو کلیۃً نظر انداز کر دیا ہے جو شبلی کے موازنہ انیس و دبیر اور محمد حسین آزاد کی آب حیات کے اس رویے سے پروان چڑھی تھی کہ وہ ہر دور کے دو شعراء منتخب کرتے ہیں اور انھیں آپس میں یوں بھڑا دیتے ہیں جیسے دو پہلوان ہوں۔ ممکن ہے یہ تبصرہ نامناسب ہو، بہر حال یہ حقیقت ہے کہ لاشعوری طور پر ہم لوگ عموماً ذوق کے بارے میں سوچتے ہیں تو انھیں غالب کے معاصر کی حیثیت سے ضرور دیکھتے ہیں۔ ایسے ہی ناسخ کو آتش کے ہم عصر کے طور پر۔ اس کتاب میں اس طرح کا موازنہ موجود ہی نہیں۔ وہ اس قسم کی تقابلی تنقید کے اس حد تک مخالف ہیں کہ شبلی کے موازنہ انیس و دبیر کو یک قلم مسترد کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ناسخ، جرأت، قائم چاند پوری اور میر مہدی مجروح کو اس کتاب میں شامل کرتے ہیں اور ان کے انفرادی Talent کو بھی دریافت کرتے ہیں۔ ان میں سے جرأت اور میر مہدی کا تجزیہ انھوں نے خود پیش کیا ہے اور ناسخ اور قائم کا شافع قدوائی نے۔ ایسے ہی ذوق کا مطالعہ بھی شافع قدوائی نے پیش کیا ہے۔ یوں انھوں نے غزل کی تاریخ میں وسعت لانے کی کوشش کی ہے۔ وہ غزل کی تاریخ کو نشانِ راہ نہیں بناتے، مگر تاریخِ غزل کو اس کتاب سے کچھ نشانِ راہ مل جاتے ہیں۔ شافع قدوائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ایک اہم کام یہ کیا ہے کہ میر انیس کے ایک سلام کا تجزیہ پیش کیا ہے، جسے اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔

اسلوب احمد انصاری غزل کے ردیف اور قافیے کے استعمال کو Sense اور ساؤنڈ Sound تک ہی رکھا ہے، مگر شافع قدوائی ردیف کو اور زیادہ اہمت دیتے ہیں اور اس کی وجہ وہی ہے کہ وہ غزل کی روایت کے زیادہ شناسا ہیں۔ وہ ردیف کے تفاعل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کلاسیکی اردو شاعری علی الخصوص غزلیہ شاعری میں ردیف کا تعامل محض پوری غزل کے موڈ کا تعین کرنا یا شعری تجرے کی تجسیم وشیرازہ بندی یا تخلیقی عمل کے حسیاتی اور تجریدی جہت کو ایک مربوط منظم مرئی پیکر عطا کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اکثر بیان کردہ تجربے کی فعلیاتی جہت بھی اس حوالے سے منور اور متشکل ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہمارے کلاسیکل شعراء کی غزلوں کی ایک معتد بہ تعداد کی ردیفیں فعل، فعل ناقص، فعل متعلق اور مرکب فعل پر نظر آتی ہیں۔'' (۱۷)

یادوں کی باز آفرینی کو اس کتاب کے تجزیہ نگاروں نے موضوع بنایا ہے۔ شافع قدوائی تو بس یہاں تک رہتے ہیں:

''ماضی کے واقعات کی باز آفرینی غزل کے مزاج کو عموماً خوش آتی ہے۔'' (۱۸)

اسلوب احمد انصاری اس بات کو بہت آگے تک لے کر جاتے ہیں اور باز آفرینی کو عالمی ادب کے تناظر میں دیکھتے ہیں:

''حافظے میں مدت سے تہہ نشیں وہ یادیں بھی جو لاشعور کے نہاں خانوں میں جاگزیں ہیں تخیل کے آتشگیر ہونے کی صورت میں تخلیقی عمل کا ایک موثر جزو بن جاتی ہیں۔ یادوں کے ان اجزا یا اس ذخیرے کو انگریزی رومانی شاعر ورڈز ورتھ نے Spots of Time کا نام دیا ہے۔ ان کی باز آفرینی کا یہ عمل حالی کا رشتہ ماضی سے جوڑ کر انھیں ایک لازمانی تسلسل سے ہمکنار کر دیتا ہے۔'' (۱۹)

آگے چل کر وہ غالب کی معروف غزل مدت ہوئی ہے یار کو مہماں کیے ہوئے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''یہاں ہر علامت ایک دوسرے کے اندر گھسی ہوئی اور ممزوج ہے جس میں پوری غزل میں دبازت یا Density کا تاثر پیدا ہو رہا ہے۔ اس میں علویت بھی ہے اور رچاؤ بھی اور یہ پیدا ہو رہا ہے یادوں کے مختلف اور متنوع Contexts کو تازہ اور شاداب بنانے سے۔ ایسا لگتا ہے کہ علامتوں اور اشاروں کی افشاں متن میں چن دی گئی ہے۔'' (۲۰)

اسلوب احمد انصاری غزل کے تجزیے میں محاکات، شعری لہجہ اور انداز، علامات اور استعاروں کے مطالعے کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ بات عملی تنقید کے لیے بہت ضروری ہے۔ غزل میں یہ چیزیں سامنے کی چیزیں ہیں، انھی پر غزل کی عمارت استوار ہوتی ہے، انھی کے مطالعے سے اور تجزیے سے غزل کا سارا حسن بے نقاب ہوتا ہے۔ اسلوب احمد انصاری محاکات، علامتوں اور استعاروں کو شاعری کے لسانی سٹرکچر کا بنیادی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حصہ قرار دیتے ہیں۔ وہ ان کی اہمیت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''ادبی فن کے لیے اپنے مافیہ کو دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے ایک لسانی سٹرکچر کو وجود میں لانا ضروری ہے جو مشتمل ہوتا ہے محاکات، علائم اور اشاروں کے گچھے پر۔ محاکات، علائم اور استعارے روایتی بھی ہوتے ہیں جنھیں ایک پوری تاریخ، اجتماعی تجربے اور Mythos نے جنم دیا ہے اور ایسے بھی جو مخصوص طور پر شاعر کی اپنی فطانت اور بصیرت یا وژن کے آفریدہ ہیں۔''(۲۱)

وہ انھی اصولوں کو غزلوں پر اپلائی بھی کرتے ہیں اور بہت خوبصورت نتائج اخذ کرتے ہیں۔ وہ اس اصول کا جرأت کی ایک غزل پر اطلاق کرتے ہیں تو یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں:

''زیرِ تجزیہ غزل کے آغاز ہی سے ہمیں رنگ و نور کے محرکات شعری کے استعمال کا سراغ ملنے لگتا ہے۔ پہلے ہی شعر کا استفہامیہ انداز اس میں مخفی یقین کی غمازی کر رہا ہے، یعنی سوال کے فارم ہی میں اس کی نفی اور تردید بھی ملتی ہے۔ گل علامت ہے محبوب کے اچھوتے بدن کی اور اُس کی نرمی، کوملتا اور طہارت کی اور بھری سہاگ میں ایک اشارہ بھرپور جوانی کا ملتا ہے۔ صفائی میں رمز جسم کے سڈول اور متناسب ہونے کا بھی ہے اور مرمریں شفافیت کا بھی۔ لفظ ذہن سے یہ اشارہ کھل کر سامنے آ گیا ہے اور یہ منسلک ہے بھری سہاگ جیسی ترکیب سے۔''(۲۲)

غزل تنقید کے ناقدین نے ایک کمال یہ کیا ہے کہ وہ محمد حسین آزاد کی لکشمن ریکھا سے باہر نکلے ہیں اور جرأت سے نکلے ہیں۔ انھوں نے ایک سطح پر ہماری روایتی تقابلی تنقید کو یک قلم مسترد کیا ہے تو دوسری سطح پر محمد حسین آزاد کے دیے ہوئے فیصلوں سے باہر نکل کر دیکھا اور سوچا ہے۔ انھوں نے ہر شاعر کی شعری انفرادیت کو دریافت کیا ہے۔ مثلاً ناسخ کے بارے میں شافع قدوائی لکھتے ہیں:

''ایک آدھ استثنائی مثال سے قطع نظر زیادہ تر ناقدوں اور ادبی مورخوں نے مولانا محمد حسین آزاد کی نیم تنقیدی اور تاثراتی رائے زنی کے حوالے سے ناسخ کی شعری انفرادیت کا تعین کرنے کی سعی کی......ناسخ کی شاعری کے تئیں ہمارا کوئی سوچا سمجھا ردعمل ہے ہی نہیں۔''(۲۳)

شافع قدوائی نے ناسخ کی ایک غزل کا تجزیہ کرتے ہوئے ناسخ کی انفرادیت دریافت کی ہے۔ انھوں نے ناسخ کے تمثیلی پیرایۂ بیان کو بہت اہمیت دی ہے۔ ناسخ کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ عموماً ایک مصرعے میں دعویٰ کرتے ہیں اور دوسرے میں دلیل پیش کرتے ہیں۔ یہ دلیل کبھی تمثیل ہوتی ہے، کبھی حسن تعلیل۔ یہ ہنر بقول شافع قدوائی ناسخ نے سودا، صائب اور بیدل سے سیکھا ہے اور یہ سبک ہندی کا مخصوص انداز ہے۔ شافع قدوائی لکھتے ہیں:

''انھوں (ناسخ) نے اپنے ہمعصر فنکاروں کی روش سے انحراف کرتے ہوئے حواس ظاہری کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے حواس باطنی کے ایک عنصر ''وہم'' کو اپنی تخلیقی فطانت کے اظہار کا وسیلہ بنایا اور شعری تجربے کو سند اعتبار بخشنے کے لیے محسوسات کو مجردات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ یوں بھی حواس باطنی وہم کا بنیادی تفاعل خاص صورتوں میں سے خاص معنی دریافت کرنا اور بظاہر سادہ اور سہل الحصول تجربے کو ایک ماورائی جہت عطا کرنا ہے۔ سودا نے قوت واہمہ کے امکانات سے اپنی شعری کائنات منور کرنے کے علاوہ بعض انسانی اعمال اور فطری مظاہر کی توجیہہ تمثیلی پرایۂ بیان کے حوالے سے کی ہے۔'' (۲۴)

یہ ہے عملی تنقید کا نتیجہ کہ نقاد نے شاعر کا اصلی شعری Talent دریافت کر لیا ہے۔ شاعر اور اس کے کلام کو سامنے رکھ کر اس کا تجزیہ کرنا اور دیگر ناقدین کی آراء سے صرف نظر کرنا ایک نئی راہ سمجھا تا ہے۔ یوں ایک نیا افق روشن ہوتا ہے، ایک نئی دنیا دریافت ہوتی ہے۔ بعض اوقات اس عمل کے نتیجے میں نئے اصولِ نقد دریافت ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ غزل تنقید میں سید وقار حسین نے بہادر شاہ ظفر کی مشہور غزل یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا/ یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا کا تجزیہ کرتے ہوئے بہت جرأت مندانہ باتیں کی ہیں۔ اسلوب احمد انصاری نے اقبال کو بے پناہ اہمیت دی ہے، مگر غزل تنقید میں ایک اصول اکثر جگہ موجود نظر آتا ہے کہ ناقدین دوسرے لوگوں کی آراء سے مرعوب نہیں ہوتے۔ متن کی بنیاد پر خود فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ مسلّمات کو توڑتے اور فیصلے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ سید وقار حسین، ظفر کی غزل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقبال کو اللہ سے شکوہ تھا، بہادر شاہ ظفر کو بھی خالق کائنات سے گلہ ہے، مگر اس فرق کے ساتھ کہ جہاں اقبال کے ہاں وقت، مقام اور انسانی گروہ کی تخصیص ہے، ظفر کی غزل میں ایسی کوئی تخصیص نہیں۔ یہ ہر زمانے اور ہر مقام کے آدمی کی عمومی واردات ہے۔ بے شک اس واردات کے عناصر اور ان کی لسانی تشکیل بڑی حد تک غزل کی روایت کی تابع ہیں، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ غزل کی روایت ہی وہ قوت ہے جو ان اشعار کو شاعر کے عہد اور اس کی شخصیت سے باہر لائی ہے۔'' (۲۵)

ایسی ہی بات اسلوب احمد انصاری نے غزل تنقید کے اختتامیہ میں کہی ہے۔ وہ یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ غزل کو ماضی اور حال کی ہمعصر زندگی سے لاتعلق سمجھنا غلط ہے۔ انھوں نے خواجہ منظور حسین کی کتابوں ''تحریک جدوجہد بہ بطور موضوعِ سخن'' اور ''غزل کا خارجی روپ بہروپ کو سعی بلیغ قرار دیا ہے۔ وہ یقیناً اس معاملے میں منفرد ہیں۔ اردو تنقید نے خواجہ منظور حسین کو یا تو مسترد کیا ہے یا نظر انداز، مگر اسلوب احمد انصاری خواجہ منظور حسین کے تنقیدی کام کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ خواجہ منظور حسین کے نتائج فکر کی تائید کرتے ہوئے یہ اصول اخذ کرتے ہیں:

''ہمارے کلاسیکل غزل گو شعرا...... اپنے عہد کی سیاسی اور سماجی زندگی کے زیر و بم اور اتار چڑھاؤ سے بخوبی واقف اور آشنا تھے اور اس کے ارتعاشات کو انتہائی حزم و احتیاط، ہوشیاری اور ہنرمندی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ غزل کے بنیادی رموز و علائم کی زبان میں ادا کرنے پر پوری قدرت اور کامل دستگاہ رکھتے تھے......ان کا مافیہ کو پانے کے لیے بہت سے پردوں کو اٹھانے کی ضرورت لاحق ہوتی ہے کہ ظاہر پرستوں کی نگاہیں ان کے آر پار دیکھنے کی استعداد نہیں رکھتیں۔سہولتِ اظہار کی خاطر یہ کہہ لیجیے کہ غزل کا آرٹ بڑا نقاب پوش آرٹ ہے۔یہ برہنگی کی تاب نہیں لاسکتا۔''(۲۶)

یہ اصول طے کر دینا آسان بھی ہے اور فیض احمد فیض جیسے شاعر سے اس کی مثال ڈھونڈ لانا بھی زیادہ مشکل نہیں، مگر میر مہدی مجروح پر اس اصول کا اطلاق کرنے کے لیے خواجہ منظور حسین کے حوصلے کی ضرورت درکار ہے۔میر مہدی کا شعر ہے:

پھر کس سے یہ شکوے شب ہجراں میں رہیں گے
کام اپنا کہیں آہ فلک سوز نہ کر جائے

یہ تو محقق کا کام ہے کہ وہ تحقیق سے دریافت کرے کہ یہ شعر ۱۸۵۷ء سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔اگر بعد کا ہے تو اس میں دہلی سے جدائی کا حوالہ واضح نظر آئے گا، مگر اسلوب احمد انصاری یہاں تک نہیں جاتے۔ وہ میر مہدی کو چند اصولی باتوں پر اور لفظوں اور ان کے معنوی اطلاقات تک محدود رہتے ہیں۔وہ صرف یہ اصولی بات کہہ کر اردو ادب کی تاریخ کا ایک نیا گوشہ ضرور روشن کرتے ہیں:

''مجروح نے روایت کے چوکھٹے کے اندر رہ کر اور اس سے سرمو انحراف نہ کرتے ہوئے اپنا ایک انفرادی رنگ نکالنے کی کوشش کی ہے اور اسے دلکش اور موثر بنانے کی بھی۔اسے آپ ان کی جدت پسندی اور طرفگی کہہ لیجیے۔ یہاں شکوہ شکایت اور احتجاج بھی نمایاں ہے اور اپنی عافیت جوئی کے لیے اپنی اندرونی قوتوں اور صلاحیتوں کا راز بھی ڈھکا چھپا نہیں۔''(۲۷)

غزل تنقید کے نقادوں نے غزل کی تفہیم کے جو اصول بیان کیے ہیں وہ پوری کتاب میں پھیلے ہوئے ہیں اور افتتاحیہ میں تو بحث ہی اصولوں سے متعلق ہے۔اس کتاب میں انیس کا ایک سلام بھی موجود ہے۔اس پر بحث کرتے ہوئے غزل کے بارے میں تجزیہ نگار (شافع قدوائی) نے بہت سی بصیرت افروز باتیں کی ہیں۔ انھیں یہ ثابت کرنا تھا کہ سلام کیونکر اس مجموعے میں آیا ہے۔اس مقصد کے لیے انھوں نے غزل پر بہت سی کام کی باتیں بیان کردی ہیں۔وہ ابتداء میں ہی سلام کے بارے میں ایک عمومی بات کہتے ہیں:

''غزل کی مخصوص لفظیات، تراکیب، علائم، ڈکشن، استعارے، ندرت اظہار اور فنی حربے بھی سلاموں میں بکثرت استعمال کیے گئے ہیں۔سلام کے مرکزی موضوع مدح اور رثائیت میں تغزل کی آمیزش نظر آتی ہے۔''(۲۸)

تجزیہ نگار آگے بڑھ کر انیس کو یوں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''انیس کے کلام کا مابہ الامتیاز عنصر یہ ہے کہ انھوں نے سلاموں کی ایک نئی بوطیقا مرتب کی جس کا خمیر تصوف، تغزل اور اخلاقیات کے باہم آمیزہ سے اٹھا تھا۔انیس نے موضوعاتی تنوع سے قطع نظر سلاموں میں تغزلانہ عناصر کو بھی آب و تاب سے استعمال کیا۔ انھوں نے غزل کی زبان لفظیات، اصطلاحات اور مروج علائم کے ساتھ تمثیل، تشبیہ، پیکر تراشی اور محاکاتی پیرایۂ اسلوب کو سلام کے بیرونی ڈھانچے کا لازمی جز بنا دیا۔'' (۲۹)

تجزیہ نگار نے انیس کے سلام کا تجزیہ تو کیا ہے، غزل کی تنقید کے لیے بھی راہ دکھائی ہے۔ سلام میں تصوف اور اخلاقیات کا پلڑا بھاری رہتا ہے اور غزل میں تغزل کا عنصر تصوف اور اخلاقیات پر حاوی اور محیط رہتا ہے۔ خصوصاً اخلاقیات تو بہت پوشیدہ رہتی ہے۔

اسلوب احمد انصاری اور ان کے ساتھی تجزیہ کاروں نے تصوف کا تذکرہ اکثر کیا ہے، مگر وہ مسائل تصوف سے بحث کرتے ہیں، تصوف کے احوال و مقامات پر بہت کم بحث کرتے ہیں، حالانکہ یہاں تو یہ عالم ہے کہ تصوف کے احوال شعر کا لباس پہن کر اکثر آتے ہیں۔ غالب مسائل تصوف کو اپنا امتیاز سمجھتے تھے، وہ تصوف سے آگاہی نہیں رکھتے تھے، مگر ان کا یہ شعر دیکھیے:

حسد سے دل افسردہ ہو سرگرم تماشا ہو
کہ چشم تنگ شاید کثرت نظارہ سے وا ہو

اب ذرا انفاس العارفین کا یہ بیان بھی پڑھ لیں:

''اس (طالب نام درویش) نے کہا کہ یہ عزیز (شاہ ولی اللہ کے والد) حصول علم میں مشغول رہتا ہے اور میں فارغ البال اور یکسو ہوں، مگر پھر بھی اس پر مجھ سے زیادہ روحانی عقدے اور مخفی اسرار آشکارا ہوتے جا رہے ہیں۔ فرمانے لگے (سید عبداللہ شاہ) یہ عطائے الٰہی ہے۔ ہر ایک کو الگ الگ حوصلہ و ہمت تفویض ہوئی ہے، مگر وہ پھر روتا رہا۔ حضرت میر نے فرمایا تیری اصلاح بھی ہو سکتی ہے کہ تو سفر میں رہا کر۔ چنانچہ اس نے دائمی سفر اختیار کیا۔'' (۳۰)

یہ کتاب بہ کمال و تمام اس قسم کی باتوں سے تہی ہے۔ اس کتاب میں بعض واقعاتی اغلاط بھی تکلیف دہ ہیں۔ سید امین اشرف نے شیفتہ پر لکھتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے:

''شیفتہ احوال اور مقام کے اعتبار سے صوفی نہ تھے۔'' (۳۱)

سید امین اشرف راقم کی اطلاع کے مطابق تصوف سے زیادہ ناآشنا نہیں۔ کاش انھوں نے ارواح ثلاثہ کو دیکھا ہوتا تو وہ جان لیتے کہ شیفتہ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی علیہ الرحمہ کے مرید باصفا تھے۔ حضرت شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالغنی حضرت شاہ غلام علی کی خانقاہ کے ورثا میں تھے اور مسند وقت تھے۔

غزل تنقید کے نقاد تصوف کے سلسلے میں زیادہ گہرائی تک نہیں جا پاتے، اس لیے ان کا تجزیہ بعض اوقات کمزور رہتا ہے۔ وہ تصوف کو تسلیم کرتے ہیں، مگر میر درد جیسے شعرا کی حد تک، وہ تصوف کو روایتی غزل کے پس منظر میں موجود علم کے طور پر تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں۔ جیلانی کامران نے غالب کے ہاں مستعمل اکتیس الفاظ کے معانی کشف المحجوب اور عفیفی کی ابن عربی سے اخذ کر کے پیش کیے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ غزل احوال باطنیہ کا بیان ہے۔ چند الفاظ کے معانی دیکھیے:

''قید: عالم تنزیہہ تک پہنچنے کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹ

عدم: آلاتِ مذموم کا نہ ہونا (میں عدم سے بھی پرے ہوں ورنہ غافل بارہا، بس خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل گیا)

عرش: وہ مقام جہاں علم اور عشق حالت وصل میں ہوں۔

حریت: مقام مشاہدہ معرفت

پری وش: ظہور اسمائے حسنہ'' (۳۲)

اس کے باوجود یہ کتاب غزل کی تنقید سے متعلق ایسے اصول فراہم کرتی ہے کہ ہم صحیح معنیٰ میں غزل سے آشنا ہو سکتے ہیں اور اس کی معنویت اور اہمیت ہم پر آشکار ہو سکی ہے۔ اس کی گہرائی واضح ہو سکتی ہے۔

اسلوب احمد انصاری نے افتتاحیہ میں غزل کے بارے میں خاصی بصیرت افروز گفتگو کی ہے۔ انھوں نے پہلی بات جو غزل کے بارے میں کہی ہے، اس نے غزل کے خلاف ہونے والی بہت سی بحثوں کو نمٹا دیا ہے۔ کلیم الدین احمد نے اسے نیم وحشی صنف سخن کہا تھا اور اس پر ریزہ خیالی کا الزام رکھا تھا۔ اسلوب احمد انصاری نے اس بات کو یوں طے کیا ہے:

''اس میں تسلسل معنی کی تلاش اور اسی کا سخت گیر مطالبہ سعی لا حاصل ہے۔ ادبی قدر کی حیثیت سے تسلسل انیسویں صدی کی قدر ہے۔ بیسویں صدی کے ادب میں عدم تسلسل کی کارفرمائی بیش از بیش نظر آتی ہے اور یہ اس مفروضے کی منطق سے ہم آہنگ معلوم ہوتی ہے اور مطابقت رکھتی ہے کہ روزمرہ کی زندگی میں نہ واقعات تسلسل کے ساتھ وارد ہوتے ہیں اور نہ انسانی ادارک کا تفاعل خط مستقیم میں پیش رفت اور حرکت کی آئنہ داری کرتا ہے۔ (۳۳)

اسلوب احمد انصاری نے چند جملوں میں غزل پر ہونے والے اعتراض رفع کر دیے ہیں۔ کلیم الدین احمد سے ڈاکٹر عبدالطیف تک کے اعتراضات مذکورہ بالا چند فقروں سے رد ہو جاتے ہیں۔ انصاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آگے چل کر اردو غزل کا ایک Analogue جدید فرانسیسی شاعری سے پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''غزل کی بنیاد نظم کے برعکس سرتاسر اندرونیت پر ہے۔''(۳۴)

اس حوالے سے وہ تغزل کو دریافت کرتے ہیں، مگر ہمیں ان سے بہتر گفتگو یوسف حسین خاں کے ہاں ملتی ہے:

''تغزل کا تجزیہ کرنے بیٹھیں تو بعض باتیں صاف طور پر نمایاں نظر آئیں گی جن کی وجہ سے دوسرے اصناف شعر سے الگ کرنا ہوگا۔ غزل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حد درجہ دروں بینی پائی جاتی ہے۔ غزل گو شاعر جو کچھ کہتا ہے، اپنے آپ میں ڈوب کر کہتا ہے۔ اس کا حیات و کائنات کا نقطۂ نظر خالص موضوعی اور داخلی ہوتا ہے..... غزل گو شاعر کے نزدیک تخیل ہی اصل حقیقت ہے جس کی مدد سے اس کے دل کی دنیا میں ہمیشہ چہل پہل رہتی ہے جو تاثرات مختلف اوقات میں اس کے دل پر گزریں، انھیں شعر و نغمہ کا رنگین لباس پہنا دے۔ تخیل اور جذبہ جب موسیقی کی رنگین قبا زیب تن کر کے جلوہ گر ہوتے ہیں تو شاعر کی روح اپنے تخیلی پیکروں سے ہم آغوش ہو کر رقص کرنے لگتی ہے۔ خیال موسیقی میں ایسا حل ہو جاتا ہے کہ اس کو اس سے جدا کرنا محال ہو جاتا ہے۔''(۳۵)

اسلوب احمد انصاری حسن تعلیل کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ یہ ایسی منطق ہے جو خارجی حوالے سے ایک قسم کی Psuedo Logic سہی، مگر سوچ کا مرکز ہی قلب شاعر ہو اور وہ معروضی انداز میں سوچنے اور سمجھنے کے بجائے موضوعی Subjective انداز میں سوچ رہا ہو تو اس کی منطق ذاتی ہوگی، خوبصورت اور شاعرانہ، حسین اور منفرد ہوگی۔ اصطلاحاً اسے حسن تعلیل کہہ لیں گے۔ حسن تعلیل کے نتیجے میں خیال مجرد خیال نہیں رہتا محسوس خیال Felt Thought بن جاتا ہے۔ اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

''محسوس خیال......انگریزی زبان کے مابعد الطبیعیاتی شاعروں کے لیے مابہ الامتیاز صفت ہے یا کسی بھی زبان کی باوقعت اور اہم شاعری کا جزو اعظم قرار دی جاسکتی ہے۔''(۳۶)

اگر کسی کو اعتراض ہے کہ کیا کوئی صفت اس وقت باوقعت اور اہم بن پائے گی جب وہ انگریزی شاعری میں موجود ہوگی۔ اب اس کا کیا جائے کہ اسلوب احمد انصاری انگریزی کے ڈسپلن کے آدمی ہیں اور علی گڑھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آخر کو علی گڑھ تحریک کے پہلے نقاد (اردو کے پہلے نقاد بھی) مولانا حالی نے بھی تو اصول نقد انگریزی زبان سے سیکھے تھے۔

اسلوب احمد انصاری نے اردو غزل کے علائم کے حوالے سے ایک اور بات کہی ہے جسے یقیناً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سامنے کی بات کہنا ضروری ہوگا، مگر اس کا بیان بھی ضروری ہے:

''اردو غزل میں اشارے اور علائم اسطوری دنیا سے بھی آئے ہیں جن میں ماقبل اسلام کی کائنات اور اسلام کی تاریخ دونوں شامل ہیں۔ ایک طرف ماقبل اسلام ایران تہذیب سے مستعار منابع مصادر اور مآخذ ہیں......دوسری طرف اسلامی تہذیب وثقافت کا ورثہ ہے۔'' (۳۷)

یہ بات کچھ اور وسعت چاہتی تھی۔ وہ ہندوستان کے ورثے سے مکمل آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ ہند اسلامی تہذیب کے ذکر سے گریزاں ہیں۔ وہ ایران کا ذکر تو کرتے ہیں، مگر پنچ تنتر کے فارسی ترجموں اور ایران میں ان کی مقبولیت، پھر الف لیلہ ولیلہ میں ہندوستانی قصوں کی بازگشت کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ پھر وہ اس بات کو کسی طرح واضح نہیں کرتے کہ اردو شاعری پر ہندوستانی داستانوں نے کیا اثرات مرتب کیے۔ شکیل الرحمٰن نے غالب کے حوالے سے لکھا ہے:

''غالب کے داستانی رجحان اور اس کے تعلق سے تجربوں، تمثالوں، علامتوں اور پیکروں کا مطالعہ کرتے ہوئے جہاں یہ حقیقت روشن ہوتی ہے کہ اس فعّال شخصیت کا ایک اپنا داستانی رجحان ہے جس کا ایک پراسرار رشتہ ہند مغل داستانیت سے قائم ہے وہاں یہ بھی ایک بڑی سچائی ہے کہ یہ تہذیبی شخصیت ایک پرانے درخت کی مانند اپنی مٹی میں بہت دور تک اپنی جڑیں پھیلائے ہوئے ہے، لہٰذا کئی دوسرے رجحانات اس داستانی رجحان سے بغلگیر تے ہیں۔'' (۳۸)

غزل کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ بعض علامتیں شاعر کی شخصیت سے پیوست ہوگئی ہیں۔ جیسے غالب کے ہاں آئینہ کا استعارہ اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے آئینہ حیرت کا استعارہ ہے۔ میر کے ہاں لہو کا استعارہ بہت استعمال ہوا ہے۔ شکیل الرحمٰن نے نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یہ میر کا Arche Type ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اگر جی۔سی۔ یونگ کے سامنے میر صاحب کا کلام رکھا جاتا تو وہ یقیناً بے اختیار یہ کہتا کہ اس کی شاعری کا بنیادی آرچی ٹائپ لہو ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ لہو کے استعارے پیکر اور علامات کے بغیر میر کی شاعری کی عظمت کی پہچان مشکل ہے۔'' (۳۹)

اسلوب احمد انصاری علامہ اقبال کی شاعری کے بہت معتقد ہیں۔ وہ علامہ کی ایک غزل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقبال نے غزل کے میدان میں ایک محیر العقول کارنامہ انجام دیا اور اسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ اس میں جو گہرائی اور اور گیرائی، جو وسعتیں اور بلندیاں، موضوع اور ڈکشن دونوں کے اعتبار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اقبال نے پیدا کیں اور اپنی مخصوص فطانت کے اظہار کے لیے اسے جس طرح برتا، اس نے غزل کے کلاسیکی تصور کو منقلب کر دیا۔''(۴۰)

دراصل یہی وہ بنیادی رویہ ہے جس سے ان کے اصول نقد جنم لے رہے ہیں۔ وہ اقبال کو اردو غزل کا عظیم ترین شاعر تسلیم کرتے ہیں، ان کی شاعری کی تفہیم کے لیے انھوں نے جو اصول طے کیے ہیں، وہ غزل کی تنقید میں ان اصولوں سے زیادہ انحراف نہیں کرتے۔

آخر میں یہ سوال اٹھانا شاید نامناسب نہ ہو اگر اسلوب احمد انصاری غالب کو عظیم ترین شاعر تسلیم کرتے اور ان کی شاعری کے مطالعے سے اصول نقد اخذ کرتے تو ان کے اصول کسی قدر مختلف ہو سکتے تھے۔ وہ ایک مختلف تناظر میں شاعری کو دیکھتے اور بعض اصول زائد ہو جاتے یا موجود اصول میں کوئی کم ہو جاتا یا ان میں ایک نئی وسعت پیدا ہو جاتی۔ غالب ہمیں ہند اسلامی تہذیب کا تناظر مہیا کرتے ہیں، شکیل الرحمٰن اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''وہ (غالب) ایک ایسی علامت ہے کہ جس کی مدد سے ایک بڑی تہذیب اور ہندوستان کی مٹی پر دو بڑی تہذیبوں کی خوبصورت ترین آمیزشوں کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔''(۴۱)

بہر حال اس کتاب نے اردو ادب کے قاری کو غزل کی تنقید کے اصول عطا کیے ہیں اور انھیں متن کو سامنے رکھ کر تنقید لکھنا سکھایا ہے۔ اس سے پہلے اس طرح کا کام قاضی افضال حسین نے میر کی ایک غزل کے حوالے سے کیا تھا، مگر اسلوب احمد انصاری کا کام زیادہ وسعت کا حامل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

۱۔ اسلوب احمد انصاری، افتتاحیہ غزل تنقید، صفحہ: ۲۸
۲۔ اسلوب احمد انصاری، تجزیہ غزل امیر مینائی، مشمولہ غزل تنقید، ص: ۴۱
۳۔ ایضاً ص: ۴۱۲
۴۔ ایضاً
۵۔ ایضاً، ص: ۴۱۷
۶۔ ایضاً، ص: ۴۱۷
۷۔ اسلوب احمد انصاری، تجزیہ غزل، جرأت، مشمولہ غزل تنقید، ص: ۲۰۳
۸۔ ایضاً، ص: ۲۰۳
۹۔ ایضاً، ص: ۲۰۴
۱۰۔ اسلوب احمد انصاری، تجزیہ غزل، اقبال، مشمولہ غزل تنقید، ص: ۴۶۱
۱۱۔ ایضاً، ص: ۴۶۳
۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۸۷
۱۳۔ اسلوب احمد انصاری، تجزیہ غزل امیر مینائی، مشمولہ غزل تنقید، ص: ۴۱۶
۱۴۔ شافع قدوائی، تجزیہ غزل مصحفی، ص: ۲۲۸
۱۵۔ اسلوب احمد انصاری، افتتاحیہ، غزل تنقید، ص: ۳
۱۶۔ شافع قدوائی، تجزیہ غزل حالی، غزل تنقید، ص: ۴۴۵
۱۷۔ شافع قدوائی، تجزیہ غزل قائم چاند پوری، ایضاً، ص: ۱۹۶
۱۸۔ ایضاً، ص: ۱۹۶
۱۹۔ اسلوب احمد انصاری، افتتاحیہ، غزل تنقید، ص: ۱۱
۲۰۔ ایضاً، ص: ۱۲
۲۱۔ ایضاً، ص: ۷
۲۲۔ اسلوب احمد انصاری، تجزیہ غزل جرأت، ایضاً، ص: ۲۰۴
۲۳۔ شافع قدوائی، ناسخ، ص: ۳۳۶
۲۴۔ ایضاً، ص: ۲۳۷
۲۵۔ سید وقار حسین، تجزیہ غزل بہادر شاہ ظفر، ایضاً ص ۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۶۔ اسلوب احمد انصاری، افتتاحیہ، ایضاً، ص: ۱۶

۲۷۔ ایضاً، تجزیہ غزل میر مہدی مجروح، ایضاً، ص: ۴۰۶

۲۸۔ شافع قدوائی، تجزیہ سلام میر انیس، ایضاً، ص: ۳۸۸

۲۹۔ ایضاً، ص: ۳۸۹

۳۰۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، انفاس العارفین، ترجمہ فاروق القادری، ص: ۵۶

۳۱۔ امین اشرف، سید، تجزیہ غزل شیفتہ، مشمولہ، غزل، ص: ۳۹۹

۳۲۔ جیلانی کامران غالب کی تہذیبی شخصیت، ص: ۳۱، ۳۲

۳۳۔ اسلوب احمد انصاری، غزل، افتتاحیہ غزل تنقید، ص: ۱

۳۴۔ ایضاً، ص: ۲

۳۵۔ یوسف حسین خاں، اردو غزل، ص: ۱۶

۳۶۔ اسلوب احمد انصاری، حوالہ مذکور، ص: ۵

۳۷۔ ایضاً، ص: ۱۵، ۱۶

۳۸۔ شکیل الرحمٰن، مرزا غالب اور ہند مغل جمالیات، ص: ۹۶

۳۹۔ شکیل الرحمٰن، اساطیر کی جمالیات، ص: ۱۳۶

۴۰۔ اسلوب احمد انصاری، تجزیہ غزل اقبال، ص: ۴۶۹

۴۱۔ ایضاً

کتابیات

اسلوب احمد انصاری، مرتبہ، غزل تنقید، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ، ۲۰۰۳ء

افضال حسین قاضی، میر کی شعری لسانیات، بار دوم عرشیہ پبلی کیشنز نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

جیلانی کامران، غالب کی تہذیبی شخصیت، ملٹی میڈیا افیئرز اشاعت دوم، ۲۰۰۳ء

شکیل الرحمٰن، مرزا غالب اور ہند مغل جمالیات، غالب اکیڈمی نئی دہلی، ۲۰۱۱ء

شکیل الرحمٰن، اساطیر کی جمالیات، عرفی پبلی کیشنز گوڑ گاؤں ہریانہ، ۲۰۰۹ء

ولی اللہ دہلوی، شاہ، انفاس العارفین مترجمہ، فاروق القادری، المعارف لاہور، ۱۹۸۶ء

یوسف حسین خاں، اردو غزل، اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن، ۱۹۴۸ء

© rasailojaraid.com